مولانا جلال الدین رومی کے تعلیمی افکار کی عصری معنویت

The Modern Spirituality of the Educational Thoughts of Maulana Jalal-ud-Din Rumi

*ڈاکٹر زینب امین

**ڈاکٹر نور حیات خان

ABSTRACT

The role played by Islamic scholars from the time of the Prophet (peace be upon him) to the present day in guiding them to the right path of knowledge and making it a constructive and useful source of faith may be found in other religions. Among them is Maulana Jalal-ud-Din Rumi, who has played an important role in making knowledge a purposeful, useful and means of reaching Allah. Maulana Rumi is perhaps the only person in the scientific history of Islam who has equal access to both external and internal sciences. He was as great a scholar of religion and jurisprudence as he was in his time. As a religious scholar, his scholarly prowess was such that when a problem could not be solved by anyone, he would eventually be brought to his service and he would solve it in a few moments. Knowledge and education have a special place in the thoughts of Romy by studying which we can clearly know the importance and greatness of knowledge. What should be the knowledge? What should be the method of teaching? According to Maulana, knowledge is like an endless sea and the seeker of knowledge dives into these seas. If a student lives for thousands of years, he will still not be able to make ends meet. That there are no two hungry heads, one seeking the development of the world and the other, the other seeking knowledge and its means.

KEYWORDS:

Jalaluddin Rumi, Educational Thoughts, Modern Spirituality

تعارف:

علم کے صحیح مقصد کی طرف رہنمائی اور اسے مثبت تعمیری و مفید اور ذریعہ یقین بنانے کے ضمن میں دور نبوی ﷺ سے لے کر آج تک علماء اسلام نے جو کردار ادا کیا اس کی مثال شاید دوسرے مذاہب میں ملتی ہو۔ ان علماء میں مولانا جلال

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، شہید بینظیر بھٹو وومن یونیورسٹی، پشاور

** ایسوسی ایٹ پروفیسر و صدر شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

الدین رومی (م ۶۷۲ھ / ۱۲۷۳ء) کا نام بھی شامل ہے، جنہوں نے علم کو با مقصد، مفید اور اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مولانا رومی اسلام کی علمی تاریخ کی شاید واحد ایسی شخصیت ہیں، جسے ظاہری اور باطنی دونوں علوم پر یکساں دست رس اور عبور حاصل ہے۔ وہ اپنے زمانے کے جتنے بڑے عالم دین اور "فقیہ تھے، اتنے ہی بڑے صاحب حال بھی تھے۔ عالم دین کی حیثیت سے ان کی علمی تبحر کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مسئلہ کسی سے حل نہ ہو تا تو بالآخر ان کی خدمت میں لایا جاتا اور وہ اسے چند لمحوں میں حل کر دیتے۔ علم و تعلیم کو مولانا کے افکار میں خاص مقام حاصل ہے، جن کا مطالعہ کر کے ہمیں واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ علم کی اہمیت و عظمت کیا ہے۔ علم کیا ہونا چاہیے۔ طریقہ تعلیم کا انداز کیسا ہونا چاہیے۔ مولانا کے نزدیک علم بیکران سمندر کی مانند ہے اور طالب علم ان سمندروں میں غوطہ زن رہتا ہے۔ طالب علم اگر ہزاروں سال زندہ رہے، تب بھی اس کا جی نہ بھرے گا۔ کیوں کہ دو بھوکے سیر نہیں ہوتے؛ ایک دنیا اور اس کی ترقیات کا طالب، دوسرا علم اور اس کی تدبیرات کا طالب۔ رزق حلال سے علم و حکمت حاصل ہوتی۔ اگر علم کو نفس کے مادی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے تو ایسا علم انسانیت کے لیے ہلاکت خیز ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر اس طاقت کو پاکیزہ روحانی مقاصد تک پہنچنے کے لیے حاصل جائے تو یہ انسان کا قابل اعتماد رفیق ثابت ہوتا ہے۔ مولانا حرفت سیکھنے کے لیے عملی کام پر زور دیتے ہیں۔ یعنی حقیقی عالم بننے کے لیے مولانا کے خیال میں ان شرطوں پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اپنی خواہشات کو دبانا، سخت کوشی کا عادی ہونا، جان کے خوف پر غالب آنا، دین کو دنیا پر مقدمہ سمجھنا، نامعلوم کی جستجو کرنا، اور جو علم حاصل ہو اس کو دوسروں تک پہنچانا، مولانا نیک نفسی اور بے غرضی کو حصول علم کی بنیادی شرط قرار دیتے ہیں۔ تعلیم و تربیت میں اساتذہ کا جو اہم کردار ہے، اس کی جھلک ہمیں مولانا رومی کے افکار میں نظر آتی ہے۔ اس لحاظ سے عصر حاضر میں مولانا رومی کے تعلیمی افکار کی مطالعہ کی ضرورت ہے۔

پس منظر مطالعہ

علم سے ہی انسان اللہ تعالی کو پہچانتا ہے۔ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان پر سب سے بڑی عطا یہ فرمائی کہ "علم الاشیاء" کو ان کے دل میں دیا اور اس برتری کے باعث ان کو مسجود ملائک بنایا اور خلافت الٰہیہ کا تاج ان کے سر پر رکھا۔ آج بھی یہی دستور ہے کہ انسان علم روحانی اور دنیاوی کی وجہ سے اپنے سینے کو آباد رکھتا ہے اور اس سے اللہ تعالی کا قرب حاصل کرتا ہے۔

علم کے دائرے کہاں سے کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں اور اس سے انسان کن کن کمالات کا اظہار کر سکتا ہے۔ علم یقین و ظہور کا نام ہے، جو بات یقینی ہو، وہ ظاہر اور معلوم ہے، لیکن جو آدمی یقین نہیں رکھتا بلکہ دوسروں کی دیکھا دیکھی کہنے لگتا ہے وہ عالم نہیں۔ علماء نے اتباع اور تقلید میں فرق رکھا ہے۔ مقالے کا اسلوب تاریخی، تنقیدی، اطلاقی اور تجزیاتی ہے۔

مولانا جلال الدین رومی کے مختصر حالات زندگی

مولانا رومی کا نام و نسب

محمد نام، جلال الدین لقب اور شہرت مولانائے روم سے ہے۔ سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ محمد صرف مولانا ہی کا نام نہیں تھا بلکہ مولانا کے والد اور دادا کا نام بھی محمد تھا۔ عبد القادر قرشی (۷۷۵ھ) نے سلسلہ نسب یوں بیان کیا ہے:

"محمد بن محمد بن محمد بن حسین بن احمد بن قاسی بن مسیب بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ"[1]۔

آپ کا لقب وَلد اور خطاب سلطان العلماء تھا۔ بلخ کے نہایت معزز اور محترم خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ عوام اور امراء میں غیر معمولی اثر رکھتے تھے[2]۔

عصر رومی کے سیاسی حالت:

یہ مسلم تاریخ کی تاریک اور پر آشوب صدی تھی، جس میں مولانا رومی پیدا ہوئے۔ مولانا محمد عبد السلام نے اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

"ساتویں صدی کا بڑا حصہ مولانا کا عہد ہے اور ساتویں صدی ہجری خاص طور سے مسلم تاریخ کا تاریک، پر آشوب اور ہولناک دور ہے۔ مسلم دنیا کے لیے یہ سخت ابتلاء اور بے چینی کا زمانہ تھا۔ جان، مال اور عزت کوئی چیز محفوظ نہ تھی۔ عام اور خاص کی تفریق کے بغیر پورا مسلم معاشرہ بے چارگی، مایوسی، بے یقینی اور خوف وہراس کا شکار تھا۔ طوائف الملوکی، جنگ و جدل تو تھے ہی کہ ایک عام سیلاب بلا پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لینے کو بڑھا چلا آرہا تھا"[3]۔

صلیبی جنگوں کے ہیرو سلطان صلاح الدین ایوبی کے ورثاء تاج و تخت پر بلا شرکت غیرے قابض ہونے کے لیے اپنی ہی بھائی بھتیجوں سے بر سر پیکار، فرنگیوں کی اسلامی مقبوضات پر مسلسل تگ و تاز، خوارزم شاہیوں کے ایک طرف غوریوں سے معرکے اور دوسری طرف سلجوقیوں پر حملے اور ان کے مقبوضات کو اپنی قلمرو میں شامل کرنے کے منصوبے، شیعہ سنی فسادات اور اس میں ایک دوسرے کے جان و مال کی بربادی تھیں[4]۔

اسی عہد میں ہندوستان کو محمد غوری کے روپ میں اپنا پہلا مسلمان بادشاہ میسر آیا تھا۔ ڈاکٹر افضل اقبال نے صراحت کی ہے:

> "A year before Rumi was born India had the first Muslim king of its own, Muhammad Gauri, who ruled, not from an outside capital, but struck roots in the soil"[5]

یعنی ہندوستان کے عوام کو محمد غوری کے شکل میں پہلا مسلمان بادشاہ میسر آیا تھا۔ اس نے کسی بیرونی دارالحکومت میں بیٹھ کر حکمرانی نہیں کی بلکہ اسی سرزمین میں نشوونما حاصل کی تھی۔

رومی کا عہد غیر معمولی طور پر پر آشوب تھا۔ غلامی خواہ چند ہی روز کی ہو، انسان کی بہترین صلاحیتیں سلب کر دیتی ہے اور منگولوں کی غلامی تو یقیناً عذاب کی ایک بدترین صورت تھی۔ اس عہد میں اسلام کو عظیم نقصان پہنچا۔ بغداد مسلم اقوام کا ایک اہم مرکز تھا اور ان کے باہمی اتحاد کا مظہر۔ بغداد کا سقوط اس مرکزیت اور اتحاد پر کاری ضرب ثابت ہوا[6]۔

عصر رومی کے دینی و علمی حالات:

اس دور میں اسلام کا معاشرتی نظام ان بہترین روایات کا مظہر نہ رہا تھا، جنہیں وہ دنیا میں پیش کرنے آیا تھا۔ جیسا کہ ڈاکٹر افضل اقبال نے لکھا ہے:

> The Sunnah in the thirteenth century had become for the Sufi an ideogram of mere Platonic importance, for the theologian and the legist a mere system of laws, and for the Muslim masses nothing but a hollow shell without any living meaning. The intellectuals, slow to understand the limitations of their own intellect, had gone all out for Scholasticism, a subtle poison which had by this time eaten deep into the muscles and sinews of the Muslim body politic. It had sapped the courage of millions of men; it had gnawed at the roots of faith and had demonstrably weakened the fabric of Islam[7]

اس زوال و انحطاط کی متعدد اور گوناگوں اسباب ہیں لیکن ان کا تجزیہ کرنا یہاں موضوع سے خارج ہے۔ بہر حال یہاں اس قدر لکھ دینا ہمارے مقصد کے لیے کافی ہو گا کہ اس وقت مسلمانوں کی وجہ سے اسلام خستہ و شکستہ صورت اختیار کر چکا تھا۔ اگرچہ اس وقت تک کئی ایک طوفان کا مقابلہ کیا جا چکا تھا، لیکن اب مسلمانوں کی اندرونی قوت کا قلع قمع ہو چکا تھا۔

مولانا رومی کے والد شیخ بہاؤ الدین چونکہ بلخ خراسان میں کئی نسلوں سے مقیم تھا، اس خاندان نے بڑی تعداد میں فقہاء اور فضلاء پیدا کیے تھے۔ مولانا شبلی نے آپ کے والد بہاؤ الدین کے متعلق یوں لکھا ہے:

> "علم و فضل میں یکتائے روزگار گنے جاتے تھے۔ خراسان کے تمام دور دراز مقامات سے ان ہی کے یہاں فتوے آتے تھے"[8]۔

مولانا رومی کی ولادت

جلال الدین رومی ربیع الاول ۶۰۴ھ کو بلخ ہی میں پیدا ہوئے۔ سلطان العلماء کے مریدان خاص میں ایک بلند پایہ بزرگ برہان الدینؒ محقق ترمذی بھی تھے۔ سلطان العلماء نے آپ ہی کو مولانا کا اتالیق مقرر فرمایا اور ۴۔۵ سال کی عمر تک مولانا آپ ہی کے زیر ترتیب اور اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد آپ ہی کے زیر ہدایت منازل سلوک طے کیں[9]۔

تعلیم و تربیت

مولانا رومی ہمیشہ اپنے والد کے ہمراہ رہے اور علوم ظاہری و باطنی آپ سے حاصل کرتے رہے۔ مولانا رومی ۲۲ برس کے بعد جب قونیہ آئے تھے، تو قونیہ میں سلطان کے اتالیق امیر بدر الدین گہر تاش نے آپ کے تبحر علمی اور خدا داد ذہانت سے متاثر ہو کر آپ کے لیے مدرسہ خداوندگار تعمیر کر کے اس کے لیے وقف کیا[10]۔

۶۳۰ھ میں مولانا نے مزید تکمیل علوم و اکتساب فیض کے لیے شام کا سفر کیا اور حلب میں ٹھہرے اس زمانہ میں دمشق اور حلب علوم و فنون کے مراکز تھے۔ اور حلب میں مدرسہ حلاویہ میں قیام پذیر ہوئے۔ جس کے مدرس کمال الدین ابن عدیم حلبی تھے۔ جو محدث، حافظ، مؤرخ، فقیہ، کاتب، مفتی اور ادیب بھی تھے۔ آپ نے حلب کی تاریخ لکھی ہے جس کا ایک ٹکڑا یورپ میں چھپ گیا ہے[11]۔

مولانا نے مدرسہ حلاویہ کے سوا حلب کے اور مدرسوں میں بھی علم کی تحصیل کی، اگرچہ آپ تحصیلِ علم میں مشغول تھے مگر آپ کے کمال کا یہ حال تھا کہ جو مشکل مسائل کسی سے حل نہ ہوتے تھے، وہ آپ ہی حل کرتے تھے اور ایسے وجوہ بیان کرتے تھے، جو کسی کتاب میں درج نہ ہوتے[12]۔ یہ ثابت ہے کہ مولانا نے تمام علوم و فنون میں نہایت اعلی درجہ کی مہارت حاصل کی تھی، جیسا کہ عبد القادر قرشی (م ۷۷۵ھ) نے لکھا ہے:

"جلال الدّين القونوي كانَ عَالما بالمذاهب وَاسع الْفِقْه عَالما بِالْخِلَافِ وبأنواع من الْعُلُوم"[13]۔

یعنی جلال الدین رومی قونوی علوم میں ہر طرح کا مہارت رکھتا تھا۔ دمشق اس وقت مجمع علماء تھا۔

شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ سعد الدین حموی، شیخ عثمان رومی، شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ صدر الدین قونوی سے مولانا کی صحبت رہا کرتی اور باہم دیگر حقائق و معارف بیان ہوتے تھے[14]۔

مولانا رومیؒ کی وفات

ابو الحسن ندوی علی نے لکھا ہے کہ مولانا کے انتقال سے قبل قونیہ میں چالیس روز زلزلہ آتا رہا۔[15] اور اسی طرح صاحب مناقب العارفین نے لکھا ہے کہ مولانا ہنوز صاحب فراش تھے کہ سات روز زلزلہ رہا۔ تمام لوگ عاجز آ گئے۔ مولانا سے امداد طلب کی، فرمایا زمین بھوکی ہو گئی ہے، لقمہ چرب چاہتی ہے۔ جلد کامیاب ہو جائے گی اور یہ زحمت تم

لوگوں سے رفع ہو جائے گی[16]۔

۵ جمادی الآخر ۶۷۲ھ کو بوقت غروب آفتاب حقائق و معارف بیان فرماتے ہوئے انتقال فرما گئے۔ انتقال کے وقت مولانا کی عمر ۶۸ برس تین ماہ کی تھی[17]۔

مولانا جلال الدین رومی کے علمی آثار

فیہ مافیہ:

یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے، جو مولانا نے وقتاً فوقتاً معین الدین پروانہ کے نام لکھے۔ یہ کتاب بالکل نایاب ہے۔ اس میں بہت قیمتی وعظ و نصیحت کی باتیں ہیں۔ مختلف عنوانات کے تحت مرتب شدہ ہے[18]۔

دیوان:

اس میں قریباً پچاس ہزار شعر ہیں، چونکہ غزلوں کے مقطع میں عموماً شمس تبریز کا نام ہے۔ اس لیے عوام اس کو شمس تبریز ہی کا دیوان سمجھتے ہیں۔ چنانچہ دیوان مطبوعہ کی لوح پر شمس تبریز کا نام لکھا ہے، تاہم شبلی نعمانی نے اس کو نہایت فاش غلطی قرار دیا ہے[19]۔

مثنوی:

یہی وہ کتاب ہے کہ جس نے مولانا کے نام کو آج تک زندہ رکھا ہے اور جس کی شہرت اور مقبولیت نے ایران کی تمام تصنیفات کو دبالیا ہے[20]۔

مولانا رومی کے تعلیمی افکار

مولانا رومی نے علم کے ضمن فرمایا ہے:

"آدمِ خاکی زحق آموخت علم"[21]

یعنی آدمِ خاکی نے اللہ تعالی سے علم سیکھا۔

انسان خاکی ہونے کے باوجود اللہ تعالی سے علم حاصل کرنے کے بعد رشک ملائک ہو گیا۔ یہ علم اس طریقے سے آدم علیہ السلام کے سینے میں ڈال دیا گیا کہ جس طرح مرغی کا بچہ پیدا ہوتے ہی کھانے کے لیے ٹھونگے مارنے لگتا ہے اور انسان کا بچہ ماں کے دودھ کو پینے کا متلاشی ہو جاتا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اس علم کے سبب انسان ہوائی جہاز، گاڑیاں، بھاپ کے انجن اور دوسری مشینریاں بنانے کی اہلیت رکھتا ہے اور یہ سب اسی عطا کردہ علم کے باعث ہے۔ اس زمانے میں اور آنے والے زمانے میں جتنی سائنس کی ایجادات ہوئیں ہیں اور ہوں گی، وہ سب اسی عطا کردہ علم کی مرہون منت ہیں۔ انسان کے علاوہ باقی تمام مخلوق کو "علم الاشیاء" نہیں دیا گیا، چنانچہ اس کائنات میں انہیں وہ مقام حاصل نہیں، جو علم

کی وجہ سے ابن آدم کو ورثے میں ملا۔ یہی وہ علم تھا جو حضرت آدم کو نقوش و اصوات کے بغیر دیا گیا تھا اور وہی تمام علوم و معارف کی اصل ہے:

علم الاسماء بده علم آدم را امام لیکن نے اندر لباس عین ولام

چوں نہاد از آب و گل بر سر کلاہ گشت آں اسمائے جانی روسیاہ[22]

حروف و نقوش کا جامہ پہنے بغیر حقیقتیں مادی انسان کے لیے قابل ادراک نہیں، لیکن یہ حروف و اصوات اگر ایک طرح سے توضیح کرتے ہیں تو سو طرح سے حقیقتوں کو مبہم بھی کر دیتے ہیں۔

علم سے کیا مراد ہے؟ اور افادیت علم کیا ہے؟ اور انسان کے لیے کن علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے؟ آیئے! اس کی حقیقت و اہمیت کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

علم کا مفہوم:

کسی شے کی حقیقت کا ادراک علم ہے۔ یہ دو طرح سے ہو سکتا ہے: اول: "العلم ادراك الشيء بحقيقته" ذات شے کا ادراک۔ دوم: "الحكم على الشيء بوجود شيء، هو موجود له أو نفي شيء، هو منفي عنه"[23]۔ اسی مادے سے علیم اور علام بطور مبالغہ اور عالم کے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ اور ساتھ حکمت کی اصطلاح بھی آئی ہے اور ظاہر کہ حکمت میں علم سے زائد معانی موجود ہیں۔

فقیہ کا مطلب ہے معلومات و مدرکات کا عقلی تجزیہ کرنے والا۔ اسی لیے "فقیہ" عاقل و دانا شخص، یا کسی علم کی اصول بندی کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ مرور زمانہ سے فقیہ صرف قانون شریعت کے عالم کو کہا جانے لگا اور عالم اور فقیہ کچھ ہم معنی سے الفاظ بن گئے۔ علم کے اس مفہوم میں جب وسعت ہوئی اور حکمت (فلسفہ اور سائنس) اس کے دائرے میں آ گئے، تو ایسے علم کا عالم حکیم اور بعض اوقات محقق کہلایا۔ عمومی طور سے علم میں وسعت اور فوقیت رکھنے والے کو فاضل کہنے لگے، تاہم قانون شریعت کے جاننے والوں اور علوم دینیہ میں دسترس رکھنے والوں کو عالم کہنے کا رواج ہر دور میں غالب نظر آتا ہے۔

مولانا رومی نے علم کی اقسام کو یوں ذکر کیا ہے:

اول: علم من اللہ، یعنی اللہ کی طرف سے اور اسی کو علم ظاہری بھی کہتے ہیں۔

دوم: علم مع اللہ، یہ وابستگی الٰہی ہے۔ اس کو علم باطنی بھی کہتے ہیں۔

سوم: علم باللہ، یعنی جو اللہ کے لیے ہو۔ علم حکمت اسی کو کہا جاتا ہے۔ پہلے وہ علم یعنی علم من اللہ اور علم مع اللہ یہ دونوں علم بولنے سے بڑھتے ہیں۔ لیکن علم باللہ خاموشی سے بڑھتا ہے۔ اسی لیے بڑی عبادت خاموشی ہے کہ اس سے علم اور حکمت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے یہ کہا گیا ہے کہ خاموشی عقل کی جلا ہے، نفس کی فنا ہے، علم و عقل کا پردہ

خواہشات ہیں۔ مولانا رومی نے بیان کیا ہے:

ہیں بکوش بہر ہوا ایں یار علم تا شوی راکب تو بر رہوارِ علم[24]

یعنی خبردار! اپنی خواہشات کی خاطر علم حاصل نہ کرنا تاکہ تو علم کے گھوڑے پر سوا ہو سکے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ علم کی بدولت دنیا کی تمام مخلوق انسان کی فرمانبردار بنائی گئی ہے۔ علم و ہنر کی وجہ سے انسان پوری دنیا کی مخلوق کو فرمانبردار بنا سکتا ہے۔ انسان ظاہری اور باطنی علوم سے آراستہ ہو تو سمندر کی کائنات اور کوہ دشت کا عالم سب انسان کے لیے مسخر ہو جاتا ہے۔ مولانا رومی بیان کیا ہے:

آدمی را زیں ہنر بیچارہ گشت خلق دریاہا و خلق کوہ و دشت[25]

یعنی اس ہنر کے وجہ سے آدمی کے لیے فرمانبردار ہو گئی ہے، پہاڑ، جنگل اور دریائی مخلوق۔

علم کا کیا درجہ اور رتبہ ہے؟

قرآن میں اللہ تبارک وتعالی نے اپنی توحید پر اہلِ علم کی گواہی اور شہادت کو اہمیت دی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ علم کے برابر کوئی شے نہیں ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ[26]

اللہ خود گواہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور سارے فرشتے (گواہ ہیں) اور اہل علم بھی (اس پر گواہ ہیں) وہ عدل و قسط کا قائم کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس میں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالی نے شہادت میں جہاں اپنی ذات گرامی کو پیش فرمایا ہے اور فرشتوں کی تائید بیان کی ہے وہاں تیسری تائید کا سامان اہل علم کی شہادت سے مہیا فرمایا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ[27]

"اللہ تم میں سے کامل مومنوں کے اور علم والوں کے درجات بلند فرمائے گا"۔

افادیتِ علم و تشکیلِ علم تعلیم:

مولانا رومی نے بیان کیا ہے: "علم چوں بر دل زند یار بود"۔ یعنی علم جب دل میں اتر جائے تو مددگار ثابت ہوتا ہے۔ مولانا نے مثنوی میں علم کی فضلیت بیان کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اہل دل کو علم کے اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ علم ان کو اٹھائے پھرتا ہے۔ برخلاف ان لوگوں کے جو جسم والے ہیں یعنی جو اہل دل نہیں، ان کا علم ان کے لیے بار ہوتا ہے۔ اگر علم دل پر اثر کرے تو مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اگر تن پر اثر کرے تو وزن بار بن جاتا ہے۔ جو علم اللہ کی طرف سے نہ ہو وہ بار ہوتا ہے۔ جو علم بلا واسطہ اللہ سے حاصل کیا ہو وہ ظاہری بناؤ سنگھار کی طرح پائیدار نہیں ہوتا،

لیکن اگر انسان علم کو اچھی طرح اٹھائے تو اسے اس وزن کے عوض خوشی عطا کی جائی گی۔ مولانا کے نزدیک خواہشات کی خاطر علم حاصل نہ کرنا بلکہ اللہ تعالی کی خاطر علم حاصل کرو تاکہ تمہارے اندر علم کے انبار دکھائی دیں۔

مولانا روم نے علم و تعلیم کی فضلیت بیان کی ہے کہ علم ہی کی وجہ سے انسان کی فضلیت ہے اگر محض صورت کی وجہ سے آدمی انسان کہلاتا تو ابو جہل اور احمد مصطفی ﷺ یکساں ہوتے۔ مولانا فرماتے ہیں احمد مصطفی ﷺ اور ابو جہل دونوں بت خانے میں جاتے ہیں لیکن غور کرو دونوں کے جانے کا فرق۔ احمد مصطفی جاتے ہیں تو بت سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ ابو جہل جاتا ہے تو میتوں کے طرح اپنا سر جھکا جاتا ہے۔ اسی طرح دیوار پر تصویر بنائی گئی ہے، دیکھوں ذرا! ہو بہو آدمی ہے لیکن غور کرو اس میں کس چیز کی کمی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس تصویر میں روح کی کمی ہے لہذا تم کم یاب گوہر کی تلاش کرو۔ یعنی ایسا علم حاصل کرو تمہیں اٹھائے یعنی وہ علم تمہارا بار اٹھائے نہ کہ تم اس کا بار اٹھاؤ، لیکن علم آج کل بار بنا ہوا ہے۔ یہ اختلافات فروعی اس علم کا بار بننے کی مثال ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

علم ہائے اہل دل حَمالِ شان علم ہائے اہلِ تن اَحمالِ شان[28]

اہل دل کو اپنا علم اٹھانے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کا علم انہیں اٹھائے ہوتا ہے۔ بر خلاف اس کے اہل تن کا علم ان کے لیے بار ہوتا ہے۔ رومی فرماتے ہیں کہ جب علم دل پر اثر انداز ہو تو وہ یار و مدد گار ثابت ہوتا ہے ورنہ حصولِ دنیا کے لیے علم محض ایک بوجھ ہے۔ فرماتے ہیں:

عِلم چوں بر دل زند یارے شود عِلم چوں بر تن زند بارے شود[29]

یعنی علم اگر دل پر اثر کرے تو وہ مدد گار ہوتا ہے اور اگر تن پر اثر کرے تو بار ہو جاتا ہے۔

گویا مولانا روم نے نہ صرف نبوی علم کی ترجمانی کی ہے، بلکہ علم تعلیم کی اسلامی تشکیل بھی پیش کی ہے۔ مغربی طرز تعلیم کی وجہ سے ہمارے نوجوانوں کو جو اسلامی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے وہ بالکل سطحی ہوتی ہے اور اسلامی تعلیم دینے کے اہلیت نہیں رکھتے، کیوں کہ وہ اسلامی اخلاقی نظام کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ وہ اسلامی نقطہ نظر اور اس کے جذبہ سے عاری ہوتے ہیں۔ ہماری مسلم یونیورسٹیوں کو یہ ذمہ داری سنبھالنا چاہیے اور مسلمان ماہرین تعلیم تیار کرنے کے لیے علوم کو اسلامی تشکیل کے دائرہ میں لانا چاہیے۔ مولانا کے نزدیک روح کی خاصیت علم و دانش ہے کہ: "جاں نباشد جز خبر در آزموں"۔ غفلت اور جہالت کا باعث مادہ یا بدن ہے کہ "غفلت از تن بود" ہمہ علم و دانش کے روح پر مادے کے تاریک پردے پڑے ہیں۔

یہ پردے اٹھے اور علم کا مہر درخشان اپنی پوری آب و تاب سے نمایاں ہوا۔ چنانچہ انسانی علم کوئی نئ حقیقت نہیں جس کو حاصل کرنا پڑے وہ اس کی سرشت ہے۔ اس کا روحانی جوہر مادی آلودگیوں سے دھندلا اور جسمانی رنگوں سے رنگیں ہو گیا ہے اس لیے علوم و حقائق جو اس کی فطرت ہیں، نمایاں نہیں ہو پاتے۔ اس کی غفلت اور جہالت خلقی نہیں

ہے بلکہ عارض ہے اور دور ہو سکتی ہے۔ حضرات انبیاء اس عارض غفلت و جہالت کو دور کرنے کے لیے آئے تھے[30]۔
مولانا روم نے ایسے علم کو حاصل کرنے کو بوجھ قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

گفت ایزد یحمل اسفارہ بار باشد علم کاں نبود زہو![31]

یعنی جو علم اللہ کی طرف سے نہ ہو بار ہوتا ہے اور اسی کے متعلق اللہ تعالی نے یحمل اسفارہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

رومی کے نزدیک اگر کوئی اس بوجھ کو اچھی طرح اٹھائے یعنی علم با عمل ہو تو بار گناہ اترے گا اور خوشی نصیب ہو گی۔

لیک چوں ایں بار را نیکو کشی بار برگیرند وبخشندت خوشی[32]

یعنی اگر اس علم کو اچھی طرح سے اٹھایا جائے تو اس بار کے عوض خوشی عطا کی جائے گی۔

لہذا علم کا بوجھ حرص و ہوا کے لیے نہیں اٹھانا چاہیے تا کہ تو راہوارِ علم پر سوار ہو سکے:

ہیں مکش بہر ہوا ایں بارِ علم تاشوی راکب تو بر رہوارِ علم[33]

رومی فرماتے ہیں کہ جب تو نے اسم سیکھ لیا تو اب مسمی کی جستجو کر جب تو چاند کا عکس کسی ندی میں دیکھے تو یہ سمجھ لے کہ وہی اصل ہے کیونکہ چاند تو آسمان پر ہے:

اسم خواندی رو مسمی را بجو مہ ببالا داں نہ اندر آب جو[34]

رومی فرماتے ہیں کہ اگر تو اپنے آپ کو اوصاف ذاتی سے پاک کر لے تو دیکھے گا کہ تیری ذات ایسی اجلی اور پاکیزہ ہے:

خویش را صافی کن ازاد اوصاف خود تا بنی ذات پاک صاف خود[35]

علم کے درجات:

۱۔ علم الیقین ۲۔ علم عین الیقین ۳۔ علم حق الیقین

علم الیقین: آنکھیں بند ہوں اور آگ کی حرارت محسوس ہو رہی ہو، آگ کے ہونے کا یہ یقین علم الیقین ہے۔
عین الیقین: آنکھوں سے دیکھ کر آگ کو محسوس کرنا عین الیقین ہے۔
حق الیقین: آگ میں بھسم ہو کر خود آگ ہو جانا حق الیقین ہے[36]۔

مولانا کے یہاں علم یقینی کے صرف دو درجے ہیں؛ علم الیقین اور عین الیقین۔ مولانا کا علم الیقین ایک طرف عام اہل تصوف کے عین الیقین کو شامل ہے، تو دوسری طرف یقینی خبر سے حاصل ہونے والے یقین کو۔ فرق صرف یہ ہے کہ خبر سے حاصل ہونے والا علم خود حال نہیں ہے، لیکن جہالت و غفلت اس سے دور ہو جاتی ہے اور بے علمی علم میں بدل جاتی ہے:

گوشِ دلال ست و چشم اہل وصال چشم صاحب حال و گوش اصحاب قال

در شنود گوش تبدیل صفات در عیان دیدھا تبدیل ذات[37]

آگ سے متعلق اگر علم الیقین پیدا ہو جائے خواہ یقینی خبر سے یا اس کی علامتوں سے تو اس کو پختہ سے پختہ بنانے کی کوشش برابر کرتے رہنا چاہیے لیکن عین الیقین کے لیے خود اس میں بھسم ہو کر آگ ہو جانا ضروری ہے:

تا نسوزی نیست آں عین الیقین ای یقین خواہی در آتش در نشین۔[38]

یقین حاصل کرنے کے لیے استدلال کی راہ کار آمد ثابت نہیں ہوتی لیکن ثابت شدہ چیز اگر سامنے موجود ہو تو اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ رومی نے اس ضمن میں فلسفی اور صوفی کے درمیان بنیادی فرق بھی بتادیا کہ فلسفی منطقی قیاس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور منطقی ثبوت پیش کرتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس صوفی ثبوت سے احتراز کرتا ہے، اگر فلسفی دھوئیں کو آگ کی دلیل سمجھتا ہے، تو صوفی کے لیے دھوئیں کے بغیر ہی آگ ایک دل کشا امر ہے، خصوصاً جب کہ وہ اللہ کی آگ ہو جو دھوئیں سے زیادہ اس کے قریب ہے۔ صوفی کے نزدیک وہ دلیل جو روحانی ثمرات کی حامل نہ ہو بے کار ہے، کیونکہ اس کے پیش نظر انسان کی آخرت ہوتی ہے[39]۔

ان کے نزدیک علم کا دارو مدار ظاہری قوت و ضعف پر نہیں، بلکہ یہ ایک عطیہ الٰہی ہے اور خداوند تعالیٰ جسے چاہے دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَ

حَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا[40]

"ہم نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔ یقیناً وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے"۔

امانت سے بعض نے عشق و محبت اور بعض نے خلافت الٰہی اور بعض نے علم و عقل مراد لی ہے۔ غرض امانت سے مراد خواہ کچھ بھی ہو بحر حال یہ ایک ایسا عطیہ ہے کہ انسان ضعیف الجسم کا دل تو اس کا حامل ہو گیا جو ایک قطرہ خون سے زیادہ وجود نہیں رکھتا، مگر کوہ و دریا و غیرہ بڑی بڑی چیزیں اس کو اٹھانے کے قابل نہ سمجھی گئیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

قطرہ دل را یکے گوہر فتاد کاں بدریاہا وگردوں ہا نداد[41]

یعنی دل کو جو ایک قطرہ (خون) ہے، ایک ایسا جوہر (علم و عقل) ملا ہے جو (اللہ تعالیٰ نے) دریاؤں کو اور آسمانوں کو نہیں دیا۔

مولانا رومی نے علم و حکمت کے لیے رزق حلال کو ضروری قرار دیا ہے جس لقمے کے کھانے کے بعد انسان میں علم و حکمت، معرفت و کمال، صحت مند فکر اور عشق الٰہی پیدا ہو تو سمجھ لو کہ یہ رزق حلال کی برکت سے ہے۔ رومی فرماتے ہیں:

چوں ز لقمہ تو حسد بنی دوام جہل و غفلت زاید آنرا داں حرام[42]

یعنی جس لقمے سے حسد، حرص، جہالت اور غفلت بڑھتی دیکھو تو ایسی غذا کو حرام جاننا چاہیے۔

علم و حکمت زاید از لقمہ حلال عشق و رقت زاید از لقمہ حلال[43]

یعنی دانشمندی، علم، عشق اور دلی لطافت حلال روزی سے حاصل ہوتی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ رزق حلال سے علم و حکمت حاصل ہوتی ہے۔ اگر علم کو نفس کے مادی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے، تو ایسا علم کو انسانیت کے لیے ہلاکت خیز ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر اس طاقت کو پاکیزہ روحانی مقاصد تک پہنچنے کے لیے حاصل کیا جائے تو یہ انسان کا قابل اعتماد رفیق ثابت ہوتا ہے۔

مولانا رومی کے نزدیک علم کی اقسام

مولا علم کی دو قسمیں بتاتے ہیں: یعنی علم تقلیدی اور علم تحقیقی

علم تقلیدی:

مولانا رومی نے علم تقلید کی کو یوں بیان کیا ہے کہ تقلید تو یہ ہے کہ کسی سے کوئی علم سیکھ کر اسے لوگوں پر بیان کر دیا جائے۔ اس میں روحانی حقائق کا ذاتی تجربہ نہیں ہوتا۔ تصدیق بالقلب اس وقت ہوتی ہے، جب ذاتی تجربے سے حقائق قلب پر وارد ہونے لگیں۔ وہ فقیہ جو سنی یا پڑھی ہوئی باتوں کو دہراتے ہیں، ان میں عقل کی بھی ضرورت نہیں رہتی، فقط حافظے سے کام لیا جاتا ہے۔ ایسے فقیہ کے وعظ کا لوگوں کے دلوں پر اثر نہیں ہوتا۔ ان کو نہ عین الیقین حاصل ہوتا ہے اور نہ حق الیقین۔

مولانا روم بیان کرتے ہیں:

صد دلیل آرد مقلد دریاں از قیا سے گوید آں را نز عیاں

یعنی مقلد سو دلیلیں بیان کرتا ہے وہ قیاس سے بتاتا ہے نہ کہ مشاہدہ سے۔

آن مقلد صد دلیل و صد بیاں در زباں آرد ندارد ہیچ جاں[44]

وہ مقلد سو دلیلیں اور سو بیان زبان پر لاتا ہے، لیکن اس میں کوئی جان نہیں ہوتی۔

علم تحقیقی:

مولانا فرماتے ہیں کہ علم تقلید وہ علم ہے، تحقیق میں روحانی حقائق نفس ذاتی تجربے کی بنا پر بیان کیے جاتے ہیں:

ہر چہ از دل خیز و بر دل ریزو

علم تحقیقی سے دین کی آگاہی ہو سکتی ہے جس نے اس کو از روئے تحقیق و تجربے و مشاہدہ حاصل کیا ہو، باقی تمام لوگوں کا دین روایتی ہے۔

لہذا مولانا روم کے نزدیک اگر کوئی محقق نہیں تو تقلید بہتر ہے۔ اکثر لوگ مقلد ہوتے ہیں اور محقق کوئی کوئی ہوتا ہے۔ محقق کا درجہ بلند ہے، لیکن محقق ہر شخص نہیں ہو سکتا، اس لیے تقلید کے بغیر اس کا چارہ نہیں۔ علم تصوف کے بغیر علم شریعت کو حاصل کرنے والا اور اسی طرح علم تصوف کو علم شریعت کے بغیر حاصل کرنے والا فاسق ہے۔ اور دونوں کو جمع کرنے والا یعنی جس کے پاس شریعت کا علم اور تصوف کا علم بھی ہو، تو وہ محقق ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ اچھوں کی تقلید سے عوام کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ آپ نے اس کو ذہن نشین کرانے کے لیے ایک مثال پیش کی ہے، کہ ایک شخص اندھا تھا اور پیاسا بھی تھا۔ اس کے ساتھ ایک شخص بینا تھا اور وہ بھی پیاسا تھا۔ آنکھوں والے کو دور سے ندی نظر آ گئی اور اندھے کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ آنکھوں والے نے کہا کہ تو میرے ساتھ چل اور اس بحث میں نہ پڑ کہ ندی نظر نہیں آ رہی۔ آخر اندھا تسلی بخش ثبوت کے بغیر اس کے ساتھ چل پڑا اور جب گھڑا پانی میں ڈبویا اور بھرا ہوا گھڑا اٹھایا تو پھر اسے یقین آیا کہ واقعی ندی ہے مقلد بھی کسی محقق کے پیچھے چل کر آخر میں فیض اور یقین حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن انسان کا نصب العین مقلد رہنا نہیں بلکہ محقق بننا ہے[45]۔

رسمی اور غیر رسمی تعلیم

علم اور تعلیم کے سلسلے میں رومی نے رسمی اور غیر رسمی تعلیم کا ذکر کیا ہے۔ واضح رہے کہ رسمی تعلیم سے مراد وہ علم ہے، جو باقاعدہ طور پر تعلیم گاہوں میں مثلاً سکول، مدرسہ یا جامعات میں حاصل ہوتی ہے۔ یہ علم تجربہ اور تخصص پر مبنی ہوتا ہے اور طے شدہ اہداف کے حصول کے لیے ہوتا ہے۔ غیر رسم تعلیم سے مراد یہ ہوتا ہے، کہ تعلیم کے لیے باقاعدہ سے کوئی ظاہر اہداف نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی سند کے لیے اعلانیہ طور پر حاصل کی جائے۔ اور یہ اکثر تجربے کے ذریعے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ سیکھنا مستقل طور پر فرد کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

رومی کے مطابق رسمی علم تو مانگنے کی چیز ہے۔ ہم یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ یہ ہماری اپنی دولت ہے، لیکن یہ دراصل ایک فریب ہے، جس میں ہم ہمیشہ مبتلا رہتے ہیں:

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

آں یکے گفتش کہ اندر شہرِ مانیست عاقل جز کہ آں مجنون نما[46]۔

رسمی علم چونکہ روحانی بصیرت کے لیے حاصل نہیں کیا جاتا ہے بلکہ محض حصول شہرت کے لیے، اس لیے مذہبی علم کا جویا بھی ویسا ہی قابل ملامت ہے، جیسا کہ دنیوی علم کا طالب ایسا علم مباحثے اور مناظرے کے لیے کار آمد اور لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے مفید سمجھتا ہے۔ یہ بحث و تکرار کے مواقع پر تو قوی ثابت ہوتا ہے، لیکن سامعین میسر نہ آئیں تو محض بے کار اور بے جان رہ جاتا ہے۔

الفاظ صحیح مفہوم کی ادائیگی میں ہمیشہ قاصر رہ جاتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ صحیح الفاظ کا چناؤ اور استعمال کیا

جائے۔ اسی بناپر رسول کرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے اللہ کو جان لیا اس کی زبان اظہار و بیان میں تامل کرتی ہے:

آن دو اشتر نیست آن، یک اشتر ست تنگ آمد لفظ معنی بس پر ست

لفظ در معنی ہمیشہ نارسا زآن پیمبر گفت قد کل لسان

نطق اصطرلاب باشد درحساب چہ قدر داندز چرخ وآفتاب[47]

مولانا روم نے علم حقیقی کا ذکر کیا ہے ہماری موجودہ دنیا میں صنعتی، سائنسی اور پیشہ ورانہ تعلیم پر زیادہ زور ہے اور اس کی ضرورت سے کسی کو بھی انکار نہیں، لیکن مولانا کا ایک اور قسم کی تعلیم پر زور دینا دراصل تصویر کے دوسرے رخ کو روشن کرنا ہے، یعنی جب کوئی شخص یا قوم صنعتی علوم حاصل کرے اور مادی طور پر خود کفیل ہو جائے تو پھر اس شخص یا قوم کو اپنی ذات اور شخصیت کی تکمیل کے لیے اور کیا کچھ کرنا چاہیے۔ لہذا مادی زندگی کے ساتھ زندگی کے روحانی اور اخلاقی پہلوؤں کی تکمیل بھی لازم ہے اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کردار کی بلندی، اخلاق کی پاکیزگی، دل کی تسلی اور ذہن کی روشنی کے بغیر شخصیت ہمیشہ نامکمل رہتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو رومی نے علم کی مختلف قسموں میں جو فرق نمایاں کیا ہے، اس کی اہمیت آج بھی اس قدر ہے، جتنی تیرہویں صدی میں تھی۔

دور جدید میں مغرب کے سیاسی غلبے کے ساتھ ساتھ مغربی افکار بھی پھیلے اور غالب آتے گئے، جن کے زیر اثر تاریخ میں پہلی مرتبہ مسلمانوں میں اسلام کی سالمیت، قطعیت اور کلیت کے بارے میں تشکیک پیدا ہوئی۔ بلکہ قرآن مجید کے بارے میں تاویل قبیح اور تحریف مطالب کا لفظی اور معنوی آغاز بھی ہوا۔

مغربی افکار کی اشاعت کے بعد یعنی جن کا اثر سب سے پہلے ترکی اور مصر پر اور پھر برصغیر ہندو پاک پر ہوا، چند اہم سوال سامنے آئے ہیں، مثلاً:

۱۔ کیا علم کا اسلامی نظریہ قوانین فطرت (Nature) کے مطابق ہے؟

۲۔ کیا اسلام کا علمی تصور اور تجزیہ جدید سائنس اور جدید معقولات کے سامنے ٹھہر سکتا ہے؟

۳۔ کیا اسلام کا علمی نظریہ سائنسی تجربوں سے حاصل شدہ افکار کی رو سے صحیح ثابت کیا جاسکتا ہے؟

۴۔ علم الحیات، معاشرت یا عمرانیات مارکسی اقتصادیات اور جدید طبیعیات خصوصاً خلائی اور ایٹمی شعبہ ہائے علم نے اسلام کے علمی مسلمات کو کیا رد نہیں کر دیا؟

اسلام کے نزدیک سائنس اور جملہ علوم عقلی اپنی جگہ ٹھیک ہیں، لیکن ان نظریات کی روشنی میں الہام کی یقینیات کو پرکھنا درست نہیں۔ قرآن مجید کا علم قرآن مجید ہی کی مدد سے حاصل ہو سکتا ہے یا سنت رسول اللہ ﷺ سے خدا کی ذات اس کی صفات ربوبیت و رحمت سے پہنچانی جاسکتی ہے۔ بایں علوم جدیدہ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ سائنس تحقیقات کا جدید تر دور الہامی حقیقتوں کی تصدیق کی طرف بڑھ رہا ہے۔

مسلمانوں نے مادے علوم و فنون میں جو مہارت حاصل کی تھی، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسلام تو علوم و فنون کے سیکھنے پر زور دیتا ہے۔

در حقیقت رومی کے نزدیک کائنات پر غور و فکر اور دریافت اللہ تعالیٰ کا ذریعہ معرفت ہے۔ اور اسی کو حق الیقین قرار دیتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں ایسے علم کو قوت سے تعبیر کیا گیا ہے:

قَالَ الَّذِىۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡـكِتٰبِ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ [48]۔

یعنی جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا وہ (تخت) میں آپ کے پاس لے آتا ہوں۔

اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ ملکہ سبا کے تخت کو لانے میں جس قوت کی در حقیقت دخل تھا وہ علم تھا۔ البتہ رومی نے ایسے علم کو جو حواس کا محتاج ہو، لا محدود قرار دیا ہے۔

مولانا رومی کے افکار میں تصوف اور اخلاق کے مسائل کے ساتھ طبی معارف کے ضمن میں وہ و معروف طبی مسائل مذکور ہوئے ہیں، جو مولانا کے زمانے کی طبی کتابوں میں موجود تھے۔ بقول مولانا شبلی نعمانی، رومی نے بعض مقامات پر فلسفہ، طبی سائنس اور علم وظائف الاعضاء کے وہ حقائق بھی بیان کر دیئے ہیں، جو چھ سات سو سال کے بعد اس صدی میں انسان کو معلوم ہوئے ہیں۔ چنانچہ تجاذب اجسام جسے نیوٹن کی دریافت بیان کیا گیا ہے، مولانا کی مثنوی میں وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے [49]۔

تجاذب اجسام کے ساتھ ساتھ تجاذب ذرات کے حقائق مثنوی میں مذکور ہیں اور نظریہ ارتقاء کو بھی بیان کر دیا گیا ہے، جسے بعد میں مغربی مصنفین کی جانب سے منسوب گیا گیا ہے [50]۔

شبلی نعمانی نے علم حیات اور طب سے متعلق علم خلقت انسان اور علم وظائف الاعضاء کے سلسلے میں مولانا کی ایک اہم دریافت کی جانب اشارہ کیا ہے:

ہر نفس نوے شود دنیا وما بے خبر از نوشدن اندر بقا
عمر ہمچون جوئے نو نوے رسد مسترے مے نماید در جسد

انسانی جسم کے بارے میں موجودہ سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ تمام جسم کریات و خلیات کا مجموعہ ہے اور اس سلسلے میں قدرت کا عمل یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے پرانے کریات و خلیات جسم سے خارج ہونے اور نئے خلیات و کریات بنتے اور ان کی جگہ لیتے رہتے ہیں تا آنکہ تقریباً بارہ سال کے بعد پرانا انسانی جسم نئے کریات و خلیات سے ایک نیا جسم بن جاتا ہے۔ اس کی تشبیہ اس مکان سے دی جاسکتی ہے، جس کی پرانی اینٹیں ایک ایک کر کے نکال دی جائیں اور ہر اینٹ کی جگہ ایک نئی اینٹ رکھ دی جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ پرانا مکان منہدم بھی نہ ہو گا اور اس کی جگہ ایک نیا مکان تعمیر ہو جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ کریات و خلیات کی اس تخریب و تعمیر کے بعد جب پرانا انسان نیا بن جاتا ہے تو ایک مدت کے

گزرنے کے بعد اس انسان کو پہچاننے میں تامل ہوتا ہے۔ مولانا اس حقیقت کی جانب آج سے چھ سات سو سال پہلے مذکورہ شعر میں رہنمائی کر چکے ہیں۔

مولانا روم کے مطابق تعلیم و تربیت میں اساتذہ کا کردار

تعلیم و تربیت میں اساتذہ کا جو اہم کردار ہوتا ہے، اس کی ایک جھلک ہمیں مولانا رومی کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ ان کی شخصیت اور کردار کی تعمیر میں ان کے اساتذہ کا بہت بڑا حصہ اور کردار رہا ہے۔ مولانا رومی نے علم و اخلاق کے نکتے بیان کرنے کے لیے انہیں حکایت کی شکل میں دلکش بنا کر پیش کرنے کا جو انداز اختیار کیا، وہ بھی اہل علم اور اساتذہ کے لیے قابل توجہ ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ یا مضمون خواہ کتنا ہی مشکل اور پیچیدہ کیوں نہ ہو، اگر استاد اسے خوب صورت انداز میں پیش کرنے کا سلیقہ جانتا ہے، تو کوئی بھی مسئلہ سمجھانے میں مشکل نہیں رہتا ہے۔

مولانا کسی بھی بات کو سمجھانے کے لیے جو بھی تمثیلات بیان کرتے ہیں، مثلاً کسی بھی مسئلے کو اگر فوقیت دینا چاہتے ہیں، تو مقابلہ کی غرض سے بھی تمثیل پیش کرتے ہیں مثلاً: "باطن کی صفائی ظاہر کی آرائش سے بہتر ہے"۔ مولانا نے بعض تمثیلات بصورت قیل و قال اور بصورت واقعہ بھی پیش کی ہیں۔ ان سب تمثیلوں سے کسی حد تک مولانا کے تصور حیات کی ترتیب سامنے آجاتی ہے۔ اور اساتذہ کرام کے لیے ایک نمونہ موجود ہے۔

مولانا رومی نے یہ واضح کیا ہے۔ کہ علم کی روشنی کے پھیلانے میں بخل سے کام نہ لیا جائے۔ استاد کا کسی مفروضہ کی مثال کی مدد سے دلیل لانا اور وضاحت پیش کرے، تو یہ غور و فکر اور علم کا ثبوت ہے۔ طالب علم کو کوئی بات ذہین نشین کرانے میں مثالیں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ رومی اپنے خیالات کی وضاحت کے لیے تشبیہ و تمثیل کا بہت استعمال کرتے ہیں، جس میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ مولانا رومی کے افکار میں معلمین کے لیے ایسا درس موجود ہے، جن کا اگر عصر حاضر میں تعلیمی اور تدریسی اطلاق کیا جائے، تو طالب علم اپنے اساتذہ سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ انہوں نے کمزور جانوروں کی زبان سے توکل و تعطل کے وہ تمام دلائل نقل کر دیئے ہیں، جو عام طور پر ضعیف الہمت اشخاص پیش کیا کرتے ہیں۔ یہ دلائل بڑے معقول اور وزنی معلوم ہوتے ہیں۔ پھر ان کا تفصیل سے جواب دیا ہے۔ شیر کا جواب مولانا کے اصل خیالات کا آئینہ ہے۔

شیر کی زبان سے وہ فرماتے ہیں کہ انسانوں کو جو اعضاء و جوارح اور جو صلاحیتیں اور طاقتیں دی گئی ہیں، ان سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے کوشش اور جد وجہد مطلوب ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام کے ہاتھ میں کدال یا پھاوڑا دے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس سے وہ زمین کھودے، اس کے لیے زبان سے کہنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ اسی طرح جب ہم کو ہاتھ پاؤں اور کام کرنے کی قدرت دی گئی ہے تو اس کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے ہاتھ پاؤں اور جسمانی قوت سے کام لیں اور اپنے ارادہ و اختیار کو عمل میں لائیں۔

مولانا رومی کے ذہنی و فکری تربیت میں ان کے اساتذہ کا کردار رہا ہے، اس لیے مولانا رومی نے تعلیم و تربیت میں اساتذہ کے کردار کے اہمیت کو بیان کیا ہے۔

خلاصہ بحث

مولانا رومی نے تصور علم کو مختلف پہلوؤں سے بیان کیا ہے، وہ عصری ضرورت ہے۔ یعنی علم کیا شے ہے اور اس کی ماہیت کیا ہے ؟ مقصد علم یعنی علم حاصل کرنا کیوں ضروری ہے اور اس کا مقصد کیا ہے ؟ نصاب علم یعنی اسلام کے تصور علم کا نصاب کیا ہے اور اسلام کن حوالوں سے اس موضوع پر روشنی ڈالتا ہے ؟ نتیجہ علم یعنی حصول علم اور اکتساب شعور کے بعد نتیجہ علم کیا ہونا چاہیے۔ ذریعہ علم کہ علم کے حصول کا کیا ذریعہ ہو؟ علم کے ماخذات کی نشاندہی۔ تعریف علم یا وسعت علم یعنی علم کی انتہا کیا ہے ؟۔ علم اور تعلیم محض خواندگی کا نام نہیں ہے یعنی تھوڑا زیادہ پڑھ لکھ لینا یا مختلف پیشہ ورانہ پہلوؤں (Professional Aspects) پر تھوڑا زیادہ عبور حاصل کر لینا وغیرہ فی نفسہ مقصود بالذات نہیں۔ یہ اتنا بڑا مقصد اور منصب ہے کہ علم کا ابرِ کرم پوری کائنات پر محیط ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کائنات کے پس و بالا میں دامن علم سے خارج کوئی شے نہیں۔ جس علم کی تحصیل کا آغاز اللہ رب العزت کے پاک نام سے ہو گا اور اسلامی عقیدے نظریے کو مرکزیت حاصل ہو گی، اس علم کے ذریعے اللہ تعالی کی معرفت نصیب ہو گی۔ لہذا وہی علم صحیح معنوں میں علم کہلائے گا، جو انسان کو اپنے مالک و خالق کے نزدیک کرے اور اللہ کی معرفت عطا کر دے۔ اس کی حقیقی بندگی، اس تک رسائی عطا کر دے اور آخر کار اس کے حکم کی تعلیم میں اس کے حکم کے نفاذ تک لے آئے۔ اس کے برعکس ایسا علم جو بندے کو اپنے رب سے دور لے جاتا ہے، وہ اللہ کے نزدیک علم نہیں۔ جدید ترین علم اور جدید ترین سائنسی انکشافات اذہان کو علمی اور عملی دونوں حوالوں سے اپنے خالق حقیقی کے بہت لے آتے ہیں۔ ایک سائنسدان جو کھلے دل و دماغ کا مالک ہو بنیادی طور پر توحید پرست ہوتا ہے۔ گو علم کی تعریف جاننا ہے لیکن وہی جاننا مرتبہ علم کو پہنچتا ہے جس کے حصول سے اللہ کی شناسی کا گوہر میسر آئے اور جو قرب الٰہی کا باعث بنے۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ القرشی، الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ، میر محمد کتب خانہ کراچی، س ن، ۲/ ۱۲۳

2۔ خان، محمد عبد السلام، مولانا، افکار رومی، مکتبہ جامعہ نئی دہلی لمیٹڈ، س ن، ص ۱۹

3۔ خان، محمد عبد السلام، مولانا، افکار رومی، ص ۱۱، ۱۲

4۔ ندوی، ابو الحسن علی، مولانا، تاریخ دعوت عزیمت،، حصہ اول: فتنہ تاتار اور اسلام کی ایک نئی آزمائش، ص ۳۷۸۔

5. Afzal Iqbal, The Life and Work of Jalal-ud-din Rumi, Pakistan National Council of the Arts Islamabad, 1991, pp. 9
6. Edward G. Browne, A literary History of Persia from the earliest times until Firdausi, London, T. Fisher Unwin Ltd: Adelphi terrace, p 440
7. Afzal Iqbal, The Life and Work of Jalal-ud-din Rumi, pp. 3.

8۔ شبلی نعمانی، مولانا، سوانح مولانا روم، زاہد بشیر بک کارنر، ص ۲۴

9۔ ندوی، ابو الحسن علی، مولانا، تاریخ دعوت و عزیمت، ص ۳۰۔ ۳۱

10۔ محمد قمر الدین، مولوی، سوانح عمری حضرت مولانا روم مسمی: مناقب العارفین، مطبع ستارہ ہند آگرہ، ۱۸۹۷، ص ۲۷

11۔ شبلی نعمانی، مولانا، سوانح مولانا روم، ص ۲۹

12۔ حوالہ مذکور

13۔ القرشی، عبد القادر بن محمد بن نصر اللہ، الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ، میر محمد کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۱۲۴

14۔ ندوی، ابو الحسن، مولانا جلال الدین رومی، ص ۳۴

15۔ ندوی، ابو الحسن، علی، مولانا جلال الدین رومی، ص ۵۰

16۔ مناقب العارفین، ص ۱۴۵

17۔ حوالہ مذکور

18۔ فیہ مافیہ، ملفوظات مولانا جلال الدین رومی، رومی پبلشنگ ہاؤس، کراچی، ۱۹۹۱ء

19۔ شبلی نعمانی، سوانح مولانا روم، ص ۲۷

20۔ حوالہ مذکور

21۔ رومی، محمد جلال الدین، مثنوی، اردو ترجمہ: قاضی سجاد حسین، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور۔ ۱/ ۳۵۵

22۔ حوالہ مذکور

23۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر بیروت، مادہ علم

24۔ رومی، مولانا، مثنوی، ۱/ ۳۵۵

25۔ ایضاً، ص ۱۳۰

26۔ آل عمران: ۳/ ۱۸

27۔ المجادلہ: ۵۸/ ۱۱

28۔ رومی، مولانا، مثنوی، دفتر سوم: ۴۱۱۱

29۔ حوالہ مذکور

30۔ رومی، محمد جلال الدین، فیہ مافیہ، ص ۳۸

31۔ حوالہ مذکور

32۔ رومی، مولانا، مثنوی، ۱/ ۳۵۵

33۔ حوالہ مذکور

34۔ رومی، مولانا، مثنوی، دفتر سوم، ص ۱۴۴۱۲

35۔ حوالہ مذکور

36۔ ولی محمد، شرح مثنوی، حاشیہ مثنوی، دفتر دوم، ص ۸۷

37۔ رومی، مولانا، مثنوی، دفتر دوم، ص ۸۵۹

38۔ حوالہ مذکور

39۔ فیہ مافیہ، ص ۲۱

40۔ الاحزاب: ۳۳/ ۷۲

41۔ رومی، مولانا، مثنوی، دفتر اول، ص ۱۲۹

42۔ ایضاً، ص ۱۸۷

43۔ حوالہ مذکور

44۔ رومی، مولانا، مثنوی، دفتر پنجم، ص ۲۵۲

45۔ ایضاً، دفتر سوم: ص ۴۱۰

46۔ رومی، مولانا، مثنوی، دفتر دوم، ۲۳۳۲

47۔ رومی، مولانا، مثنوی، دفتر دوم، ۳۰۱۲

48۔ النمل: ۲۷/ ۴۰

49۔ شبلی نعمانی، سوانح مولانا روم، ص ۱۹۸۔ ۲۰۰

50۔ حوالہ مذکور